پروفیسر مرزا مقبول بیگ بدخشانی

ضیاء الدین برنی اور اس کا نظریۂ سیاست

برِّ عظیم پاکستان و ہند میں یوں تو ضیاء الدین برنی سے پہلے بھی مورخ ہوئے ہیں جنھوں نے اسلامی مملکت کی تاریخیں مرتب کیں مثلاً سلطان محمود غزنوی کے زمانے کا مورخ ابو ریحان البیرونی (متوفی ۴۴۰ھ/۱۰۴۸ء) تھا جس نے کتاب الہند لکھی، ابوالفضل بیہقی (متوفی ۴۷۰ھ/۱۰۷۷ء) نے تاریخ بیہقی تالیف کی، ابونصر عتبی نے تاریخ یمینی اپنی یادگار چھوڑی[1] لیکن یہ تینوں مورخ باہر کے تھے۔ پھر قطب الدین ایبک کے زمانے میں صدر الدین محمد بن حسن نظامی نیشاپور سے یہاں آیا اور ۶۳۰ھ/۱۲۳۲ء میں مشہور تاریخ تاج الماثر تالیف کی، شمس الدین التتمش کے عہد میں منہاج بن سراج جوزجانی نے طبقات ناصری کے نام سے ایک عمومی تاریخ منضبط کی لیکن ان مورخین کا تعلق بھی پاک و ہند سے نہ تھا۔ اس سرزمین نے جو اولین مؤرخ اور سیاست دان پیدا کیا، وہ ضیاء الدین برنی ہے۔

مقام تعجب ہے کہ مورخ جو اپنے قلم سے دوسروں کو زندۂ جاوید بناتے ہیں، انھیں آنے والی نسلیں کچھ اس طرح فراموش کرتی ہیں کہ ان کے حالات زندگی بھی فراہم کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ ضیاء الدین برنی کے سوانح حیات پر بھی مورخوں اور تذکرہ نویسوں نے کوئی توجہ نہیں دی۔ اس کی تصانیف میں ضمناً کہیں کہیں اس کے حالات ملتے ہیں۔ خاص طور پر تاریخ فیروز شاہی سے اس سلسلے میں ہماری خاصی رہنمائی ہوتی ہے۔ حسرت نامہ برنی کی خود نوشت سوانح عمری تھی لیکن اس کا اب کوئی سراغ نہیں ملتا۔ اس کے بعض حوالے البتہ سید محمد مبارک امیر خورد نے تذکرہ سیر الاولیاء فی محبت الحق جل و علا میں درج کیے ہیں جن سے عبدالحق دہلوی نے اخبار الاخیار میں استفادہ کیا ہے۔ برنی کے حالات زندگی پیش کرنے میں یہی ماخذ میرے پیش نظر رہے ہیں۔

خاندانی حالات

برنی کے خاندان کے متعلق امیر خورد نے لکھا ہے: "ضیاء الدین برنی کا والد ایک معزز خاندان

سے تھا[۱]" اس بیان سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ کونسا خاندان تھا؟ اور برن (بلند شہر) کب آیا؟ کہیں باہر سے آکر یہاں آباد ہوا یا اسے مقامی حیثیت حاصل تھی؟ یہاں تک بے خبری کا عالم ہے کہ ضیاء الدین کے والد تک کا نام معلوم نہیں ہو سکا البتہ وہ اپنے خطاب موید الملک سے مشہور ہوا۔ وہ سلطان جلال الدین خلجی کے مجھلے بیٹے ارکلی خاں کا نائب تھا۔ ارکلی خاں نے اپنے حکام کو بلا کر کہا تھا کہ کیلوکھری میں اپنے لیے مکانات تعمیر کرائیں۔ برنی کا بیان ہے کہ موید الملک نے وہاں ایک وسیع مکان تعمیر کرایا۔[۲]

برنی نے یہ نہیں بتایا کہ بلبن اور کیقباد کے عہد میں اس کے والد کا کوئی منصب تھا یا نہیں البتہ اسے علاء الدین خلجی کے عہد میں برن کا گورنر مقرر کیا گیا تھا[۳]۔ ضیاء الدین یہیں پیدا ہوا اور اسی شہر کی نسبت سے برنی کہلایا۔

ضیاء الدین کا چچا علاء الملک علاء الدین خلجی کے پانچ حکام اعلیٰ میں سے تھا۔ علاء الدین خلجی نے جب سلطان جلال الدین کی اجازت کے بغیر دیوگڑھی پر لشکر کشی کی تو اس وقت وہ خود کڑہ (الہ آباد) اور اودھ کا گورنر تھا۔ اس نے یہ منصب علاء الملک کو سونپا اور بعد میں جب سلطان جلال الدین قتل ہوا اور علاء الدین نے دہلی کا رخ کیا تو اس وقت بھی یہ منصب علاء الملک کے پاس رہا۔

علاء الملک، جلال الدین خلجی کے قتل کی سازش میں شریک بتایا گیا ہے۔ اس کے صلے میں علاء الدین نے اسے دار السلطنت دہلی کی کوتوالی کا منصب سونپ دیا، جس کی اس زمانے میں بڑی اہمیت تھی۔ علاء الملک کا اثر و رسوخ اس امر سے واضح ہے کہ جب علاء الدین نے منگولوں کے حملے کے وقت ان سے فیصلہ کن جنگ کرنے کے لیے فوج کشی کی تو شہر، خزانہ شاہی اور خاندان کے افراد اس کی نگرانی میں دیدیے اور خود دار السلطنت سے نکل کر سیری میں خیمہ زن ہوا۔[۴]

علاء الدین خلجی (۶۹۵-۷۱۵ھ/۱۲۹۶-۱۳۱۶ء) علاء الملک کو وزارت کے منصب جلیلہ کا اہل تو سمجھتا تھا لیکن غیر معمولی طور پر فربہ ہونے کی وجہ سے اسے یہ منصب سونپا نہ جا سکا اس کا اظہار علاء الدین نے ملوک کے مجمع میں کیا۔

"خوانان و ملوک کبار را پیش طلبید و حضر کرد و بایشاں در مجمع گفت، شما می دانید کہ علاء الملک وزیر و وزیرزادہ است و ما را بندۂ مخلص و ہوا خواہ است و از ایام ملکی الی یومنا ہذا پیش ما را سے زنی کردہ است و ما بسبب فربہی او را کوتوالی دادہ ایم و الا حق او وزارت است[۵]۔"

اس جملے سے علاء الملک کے وزارت کے حقدار ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ برنی کا دادا بھی کسی اہم منصب پر فائز رہا ہوگا۔

برنی کی دادی کیتھل کے سادات خاندان سے تھی۔ جس کی تعریف کرتے ہوئے برنی لکھتا ہے:

"و بزرگی سادات کیتھل و صحت نسب ایشاں از مشاہیر است و پدر مولف نبیسہ دختریں سید جلال الدین از عظام و کرام سادات کیتھل بودہ است و پدر ایں ضعیف شریف بود و جدۂ ایں ضعیف سیدہ صاحبۂ کشف و کرامات بودہ است و چندیں عفائف را کرامت و مشاہدہ شدہ[۵۶]"

"برنی کا نانا حسام الدین سپہ سالار، سلطان بلبن کے حاجب ملک بکترس سلطانی کا وکیلدار (نائب) تھا۔ پھر اسے لکھنوتی کا کوتوال مقرر کیا گیا اور حکم ہوا کہ ہفتے میں تین چار بار دہلی کی اطلاعات اور ملوک و امرائے دہلی کی عرضداشتیں لشکر سلطانی میں بھیجتا رہے[۵۷]۔" حسام الدین کے متعلق برنی نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ وہ صائب الرائے اور صاحب تدبر شخص تھا اور سلطان بلبن (۶۶۴ - ۶۸۴ھ/۱۲۶۶-۱۲۸۷ء) کے دربار میں اسے بہت اقتدار حاصل تھا۔

سالِ پیدائش

ضیاء الدین برنی نے اپنا سال ولادت نہیں بتایا۔ اس کے ہم عصر سید محمد مبارک امیر خورد نے سیر الاولیا میں اس کے حالات تو لکھے ہیں لیکن سال ولادت کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ اس خیال سے کہ برنی نے تاریخ فیروز شاہی کی تصنیف کے وقت اپنی عمر ۷۴ سال بتائی ہے[۵۸]۔ نیز یہ واضح ہے کہ یہ فیروز شاہ کے عہد حکومت کے چھٹے سال یعنی ۷۵۸ھ/۵۶-۱۳۵۷ء تک کی تاریخ ہے۔ جو ۷۵۹ھ/۱۲۵۷ء کے دوران مکمل ہوئی۔ اس سے قیاساً برنی کا سال ولادت ۶۸۴ھ/۱۲۸۵ء متعین کیا جا سکتا ہے جب کہ پاکستان و ہند میں غیاث الدین بلبن کی حکومت تھی۔

جلال الدین خلجی کے عہد (۶۸۹ - ۶۹۵ھ/ ۱۲۹۰-۱۲۹۶ء) کے آغاز میں برنی ۶ سال کا تھا اور اسی زمانے میں وہ سن شعور کو پہنچا۔ وہ خود لکھتا ہے "جلال الدین کے زمانے میں اس نے قرآن مجید پڑھا اور انشا پردازی کا آغاز ہوا[۵۹]۔" جلال الدین قتل ہوا تو اس کی عمر ۱۲ سال تھی۔

بلند مرتبہ خاندان کا فرد ہونے کی وجہ سے ظاہر ہے کہ برنی نے اونچے پائے کے اساتذہ سے علوم متداولہ کی تعلیم حاصل کی۔ برنی نے اپنے اساتذہ کا علی الخصوص تو ذکر نہیں کیا لیکن یہ ضرور لکھا ہے کہ

وہ سب علامۂ دہر تھے۔ ۴۶ علما کے نام بتاتے ہوئے لکھتا ہے کہ "بعض سے اسے تلمذ تھا، بعض کی خدمت میں حاضری دی اور اکثر کو درس دیتے ہوئے سنا[۱۰]" برنی نے تفسیر، حدیث، فقہ اور طریقت کا علم حاصل کرنے کا ذکر کیا ہے ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے کسی علم میں اتنا استفادہ نہیں کیا جتنا کہ علم تاریخ... میں:

"در ہیچ علمی چنداں منافع مشاہدہ نہ کردہ ام کہ در علم تاریخ ......[۱۱]"

ضیاء الدین کا شروع شروع میں تصوف کی طرف بھی رجحان تھا۔

حضرت نظام الدین اولیا سے ارادت

تصوف کے میلان کی بدولت برنی حضرت نظام الدین اولیا کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوا۔ امیر خورد لکھتے ہیں:

از ابتدا بواسطۂ شفقت پدر بزرگوار، کہ از دودمان بزرگی بود، بسعادت ارادت سلطان المشائخ مشرف گشت وسر اخلاص بر آستانۂ آسمان سای سلطان المشائخ نہادہ، در غیاث پور ساکن شدہ و بخدمت سلطان المشائخ علی وقربتی تمام یافت چنانچہ در حسرت نامہ خود کنایت کردہ است۔[۱۲]"

حضرت نظام الدین اولیا کے حلقۂ ارادت ہیں اس کی ملاقات امیر خسرو اور حسن سجزی سے ہوئی ان کا ذکر برنی نے بڑی عقیدت کے ساتھ کیا ہے اور ان کی علمی و ادبی عظمت بھی بیان کی ہے۔

وسالہا مرا با امیر خسرو و امیر حسن مذکور تودّد و یگانگی بودہ است و نہ ایشاں بی صحبت من توانستندی بود، نہ من توانستمی کہ بی مجالست ایشاں گذرانم واز محبت من میان ایشان ہر دو استاد قرابتی شدہ در خانہای یک دیگر آمد و شد کردن گرفتند۔[۱۳]"

برنی نے حضرت نظام الدین اولیا کے ملفوظات کا بھی ذکر کیا ہے جو حسن سجزی نے فوائد الفواد کے نام سے مرتب کیے تھے۔

علاء الدین خلجی کے بعد برنی کے خاندان کا کوئی ذکر نہیں آیا شاید حکومت کے بدلنے کے ساتھ یہ خاندان بھی معرض گمنامی میں جا پڑا ہو۔ ضیاء الدین برنی کے متعلق بھی کچھ پتا نہیں چلتا کہ اس کا شغل کیا رہا۔ غالباً یہ وقت اس نے امرا اور علما کی صحبتوں میں گزارا۔

محمد بن تغلق کے عہد میں دربار سے وابستگی

فارغ التحصیل ہونے کے بعد ضیاء الدین کے علم و فضل کی خاصی شہرت ہوئی۔ اس کے خاندان کی

خدمت سے بھی حکمران آگاہ تھے اس لیے محمد بن تغلق (۷۲۵-۷۵۲ھ/ ۱۳۲۵ء-۱۳۵۱ء) نے اسے اپنا ندیم مقرر کیا۔ ندیم کا منصب دنیا دارانہ نقطۂ نظر سے منفعت بخش ضرور تھا لیکن ایک خود دار اور باکمال انشا پرداز کے لیے یہ منصب ایسا نہ تھا کہ ایک جابر سلطان کی مصاحبت بہرصورت اس کے لیے اطمینان بخش ہوتی۔ بہرحال سلطان کی زندگی تک اس نے مصاحبت کے فرائض بوجوہ احسن سرانجام دیے اور وفاشعاری میں فرق نہ آنے دیا۔

محمد بن تغلق انتہائی ذہین، قابل، فیاض اور عابد شب زندہ دار تھا۔ شروع شروع میں اس نے ملکی نظم و نسق کو مستحکم کیا، دور دراز علاقوں میں امن و امان بحال رہا، بعض علاقے فتح کر کے مملکت کو وسعت دی۔ لیکن وہ انقلابی ذہن رکھتا تھا اور اپنے نئے منصوبوں سے ملک میں انقلاب لانا چاہتا تھا لیکن لوگ اس کے دور رس منصوبوں کو نہیں سمجھ سکتے تھے اور اگر سمجھتے بھی تھے تو تیز روی میں اس کا ساتھ نہ دے سکتے تھے۔ ادھر علمائے مذہب نے اس کے انقلابی ذہن اور فلسفیانہ مزاج کے باعث اس کے کردار پر نکتہ چینی کی اور رفتہ رفتہ بے اطمینانی پھیلنے لگی اور جب اس نے دہلی کے بجائے دکن کے شہر دولت آباد کو دارالسلطنت بنایا، تو ہمہ گیر مخالفت پھوٹ پڑی۔ محمد بن تغلق نے سخت گیری شروع کی جس کے نتیجے میں جگہ جگہ بغاوتیں ہوئیں۔ بغاوتوں کو فرو کرنے کے لیے اس نے بے دریغ خزانہ لٹایا اور بلا جھجک مسلمانوں کا خون بہایا۔ سلطان کی پالیسی کے بعض پہلو ایسے تھے جن سے برنی کو سخت رنج پہنچتا تھا زیادہ پریشان کن بات اس کے لیے یہ تھی کہ "سلطان نے متعدد علما، مشائخ اور سپاہیوں کو قتل کرایا"[۱۱] برنی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ "کوئی دن یا ہفتہ ایسا نہ تھا کہ مسلمان لقمہ تیغ نہ ہوتے اور محل کے دروازے کے سامنے خون کا دھارا نہ بہتا"[۱۲]

بغاوتیں رونما ہوتیں تو انھیں دبانے اور باغی عناصر کو ہراساں کرنے کے لیے سلطان ذرا سے شبہے پر بھی قتل کا حکم دے دیتا۔ اس کی خون آشامی نے لوگوں کے دلوں میں نفرت کا بیج بو دیا۔ سلطان کی یہ سخت گیری برنی کے لیے انتہائی پریشانی کا باعث تھی کیونکہ وہ نہ اتنا قوی الایمان تھا کہ بادشاہ کی سفاکی پر نکتہ چینی کر سکے نہ اس کے وسائل ایسے تھے کہ اپنا منصب ترک کر کے معیار زندگی کو برقرار رکھ سکے۔ اور دونوں صورتوں میں ہلاکت کا اندیشہ بھی تھا۔ عیب و ثواب کی اس کش مکش

کو برنی نے یوں بیان کیا ہے:

"میں ایک ناشکر گزار بندۂ بدنصیب ہوں جس نے متعدد کتابوں سے استفادہ کیا اور روحانی قدروں کو اجاگر کرنے والے علم سے سرفراز ہوا لیکن میں نے ریاکاری اختیار کی اور بادشاہ کے دربار میں اقتدار حاصل کر لیا۔ مجھے ہمت نہ پڑتی تھی کہ سلطان کی سفاکی اور خون آشامی کے متعلق جس میں صریحاً شریعت کی خلاف ورزی ہوتی تھی، کچھ کہہ سکوں، کچھ کہتا تو جان کا خطرہ بھی تھا اور دنیاوی جاہ و مرتبہ سے محروم ہونے کا ڈر بھی۔ ایسے موقع پر میں نے خاموش رہنے ہی میں مصلحت سمجھی بلکہ تنکوں اور چیلوں کے لالچ اور قرب شاہی کے حصول کی خاطر میں نے خود احکام شریعت کی خلاف ورزی میں سلطان کی تائید کی اور بے محل مثالیں پیش کر کے سلطان کے انسان کشی رویے میں اس کا معین و مددگار رہا۔ بُرے افعال جو مجھ سے سرزد ہوئے، اور ناروا باتیں جو میری زبان سے نکلیں، ان سے میں ذلیل و خوار ہوا اور دنیا کی نظروں میں قدر و منزلت کھو بیٹھا۔ اب میں افلاس کی وجہ سے ہر گھر اور ہر در پر رسوا ہوں، معلوم نہیں دوسری دنیا میں میرا کیا حشر ہوگا اور کون سی تعذیر میری منتظر ہوگی"۔[۱۱]

برنی کے یہ تاثرات اس زمانے کے ہیں جب وہ محمد تغلق کی وفات کے بعد گوشہ گیر ہو کر تاریخ فیروز شاہی لکھنے میں مصروف تھا لیکن سلطان کی موجودگی میں بھی اس کی سفاکی اور اپنے جرم خاموشی کا برنی کو شدت سے احساس ہوتا رہا کہیں موقع ملتا تو کنایتہً کچھ کہہ بھی گزرتا۔

برنی سلطان محمد کی مصاحبت کی وجہ سے اس کی ہر محفل میں شریک ہوتا ہوگا بلکہ شب و روز کا ساتھ ہوگا لیکن تاریخ فیروز شاہی میں سلطان کے ساتھ چند اہم صحبتوں کا ذکر آیا ہے جن سے پتا چلتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح کلمات خیر سلطان کے کانوں تک پہنچاتا تھا۔ بعض ایسی صحبتوں کا بیان دلچسپی سے خالی نہ ہوگا

"گجرات کے باغیوں کے خلاف فوج کشی کے دوران سلطان، ماہ رمضان کی وجہ سے چار پانچ دن سلطان پور میں ٹھہر گیا۔ ایک مرتبہ آخر شب مجھے (برنی کو) بلایا اور کہا، تم دیکھتے ہو کس قدر بغاوتیں اٹھ رہی ہیں لیکن میں ان سے خائف نہیں۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ بغاوتیں موت کی سزاؤں کی وجہ سے ہوتی ہیں جو سلطان لوگوں کو دیتا ہے لیکن ان کے کہنے پر میں ایسی سزاؤں سے ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا"۔[۱۲]

"بعد ازاں سلطان بندہ را فرمود کہ تواریخ بسیار خواندہ، جامی. خواندہ کہ بادشاہاں در چند

جرم سیاست کردہ اند۔[۱۸]

برنی نے سلطان کے جواب میں تاریخ کسروی کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ سزائے قتل ملکی استحکام کے لیے ضروری تو سمجھی جاتی تھی لیکن جمشید نے ایک جواب میں کہا تھا کہ بادشاہ سات قسم کے جرائم میں قتل کی سزا دینے میں حق بجانب ہے۔

یکی آنکہ، اگر یک از دین حق بگذرد و بر آں مصر ماند (ارتداد)

دوم آنکہ، ہر کہ یکی را عمداً از مطیعان بکشد (قتل عمد)

سوم آنکہ، ہر کہ با بادشاہ غدر اندیشد، و غدر را و تحقیق شود (بغاوت کا منصوبہ بشرطیکہ ثابت ہو جائے)

چہارم آنکہ، ہر کہ زنی باشد و با زن دیگر سفاح کند (زنا)

پنجم آنکہ، ہر کہ سرغنہ بغی شود و بغی را مباشرت نماید (جو بغاوت کی سرکردگی اور تنظیم کرے)

ششم آنکہ، ہر کہ از رعیت بادشاہ یار دشمن و مخالف و ہمسر بادشاہ شود و او را برسانیدن واسلحہ جز آں مدد و معونت کند و مدد و معونت او محقق گردد (دشمن کی مدد و حمایت)

ہفتم آنکہ، ہر کہ بی فرمانی بادشاہ کند، بی فرمانی، کہ ثمرات بی فرمانی زیان ملک بادشاہ باشد، نہ در بی فرمانی دیگر (صرف وہ نافرمانی جو ملک کو نقصان پہنچانے کا موجب ہو)

برنی نے قتل کی سزا کی شرائط جمشید کی زبانی کہلوائی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنا مافی الضمیر بیان کرنے سے بادشاہ کے تشدد کے بڑھتے ہوئے ہاتھ کو روکنا چاہتا تھا۔ بادشاہ کے جواب میں اس نے جو کچھ کہا، درحقیقت احکام شریعت ہی کی طرف اشارہ تھا جن کے رو سے بلا وجہ اور بغیر ثبوت قتل کی ممانعت کی گئی ہے۔

جمشید کی شرائط کا بیان سن کر سلطان محمد تغلق نے کہا۔ یہ سب اگلے وقتوں کی باتیں ہیں۔ اب تو فتنہ پرداز اور شریر لوگ اتنے زیادہ ہو گئے ہیں کہ خون بہانا ہی ان کا علاج ہے۔ میرا ہاتھ خوں ریزی سے اس وقت تک نہ رکے گا، جب تک لوگ راہِ راست پر نہ آجائیں یا میں دنیا سے نہ اٹھ جاؤں۔[۱۹]

برنی کی یہ تدبیر کارگر نہ ہوئی تو اس نے اور پہلو بدلا اور جمشید کا یہ قول بھی پیش کیا کہ بادشاہ اپنے لیے وزیر منتخب کرتے ہیں، ان کا مرتبہ بڑھاتے ہیں اور حکومت کی ذمے داری انھیں سونپ دیتے ہیں، چنانچہ وہ ملکی قوانین بناتے اور نافذ کرتے ہیں ان کی وجہ سے بادشاہ کے لیے ضروری نہیں رہتا کہ وہ

خود اپنے ہاتھ کسی کے خون سے رنگین کرے۔

یہ نصائح سلطان کو مطمئن نہ کر سکے اور بولا،

"من آنچناں وزیر ندارم کہ در ملک من ضوابطی پیدا آرد کہ مرا دست بخون کس نیاید آلود۔"[۲۰]

پھر یہ بھی کہا "میں اس لیے سزائے قتل دیتا ہوں کہ لوگ میرے دشمن بن گئے ہیں۔ میں نے لوگوں پر خزانے لٹا دیے لیکن میرا کوئی حقیقی خیر خواہ نہ بن سکا۔ یہ سب لوگ بد اندیش ہیں اور میں ان کا خوب مزاج آشنا ہوں۔"

تیسری ملاقات کا یوں ذکر آیا ہے "محمد بن تغلق نے امیران صدہ کی بغاوت دکن فرو کی تو گجرات میں طغی نے فتنہ کھڑا کر دیا۔ اب سلطان نے طغی کی سرکوبی کے لیے چڑھائی کی تیاری کی۔ برنی اس وقت دہلی میں تھا۔ فیروز شاہ، ملک کبیر اور احمد ایاز نے، جو دہلی کے عمائد سلطنت تھے، برنی کو فتح دکن کی مبارک باد کا عریضہ دے کر سلطان کی خدمت میں بھیجا۔[۲۱] سلطان گھاٹی ستون سے دو تین میل آگے بڑھ چکا تھا کہ برنی آیا۔ اس ملاقات کا برنی نے یوں ذکر کیا ہے۔

"سلطان میرے ساتھ بڑی مروت سے پیش آیا۔ ایک دن میں حضرت عالی کے ہم رکاب تھا، سلطان نے گفتگو کے دوران باغیوں کا ذکر چھیڑا اور کہا، تم دیکھتے ہو کہ احسان فراموش امیران صدہ کیا کیا فتنے کھڑے کر رہے ہیں۔ ایک طرف سے ان کی بغاوت فرو ہوتی ہے اور بجائے امن کی امید بندھتی ہے تو وہ دوسری طرف شورش بپا کر دیتے ہیں۔ اگر پہلے ہی دیوگیر، گجرات اور بھروچ کے امیران صدہ قتل کر دیے جاتے تو کوئی شورش پیدا نہ ہو سکتی۔ اس احسان ناشناس، حرام خور، طغی کو قتل کرا دیتا یا بطور یادگار عدن کے بادشاہ کے پاس بھیج دیتا تو آج یہ بغاوت نہ ہو سکتی۔"[۲۲]

برنی لکھتا ہے کہ "من نتوانستم کہ در بندگی سلطان عرضداشت کنم کہ ایں ہمہ بلاہا و فتنہ ہا کہ از ہر چہار طرف می زاید و تنفر عام روی نمودہ است، از نتیجۂ کثرت سیاست سلطانی است کہ اگر سیاست را چند گاہ توقف دارند، باشد کہ فراہمی پیدا آید و از سینہ خواص و عوام تنفر کم شود، از تغیر مزاج سلطان ترسیدم..... عرضداشت کردن نتوانستم و با خود گفتم چہ حکمت است کہ ہماں چیزی کہ واسطۂ خرابی و بتری ملک گشتہ است در سینۂ سلطان محمد از برای فراہمی و التیامی ملک و دولت جلوہ می کند۔"[۲۳]

برنی کا دل سلطان محمد کی روش خونریزی سے بہت کڑھتا تھا لیکن قرب سلطانی کے باوجود بادشاہ

سے کے خلاف مزاج کوئی بات زبان پر نہ لا سکتا تھا۔ بہرحال "گفتہ آید در حدیث دیگراں" کے مصداق کچھ کہتا ضرور تھا۔ چوتھی ملاقات میں جس کا برنی نے ذکر کیا ہے، دل کی بات صاف کہہ دی۔

طغی نے اپنی جولانگاہ اب بعض دوسرے علاقوں کو بنایا تھا۔ سلطان کا خیال تھا کہ گجرات میں امن و امان بحال کرے کہ اتنے میں دیوگیر میں بغاوت کی خبر پہنچی ہے۔ سلطان دیوگیر پر چڑھائی کا فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ اس نے مجھے بلایا اور کہا "میری سلطنت اس مریض کی طرح ہے جس کی دوا کوئی نہیں۔ معالج وجع مفاصل کا علاج کرتا ہے تو بخار تیز ہو جاتا ہے۔ بخار کی دوائی دیتا ہے تو انتڑیوں کا آزار شروع ہو جاتا ہے۔ سلطنت میں کئی طرح کے عارضے مسلسل پیدا ہوتے جا رہے ہیں ایک جگہ صورت حال بہتر ہوتی ہے تو دوسری جگہ بدامنی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہاں صورت بحال ہوتی ہے کہ تیسری جگہ بدحالی رونما ہو جاتی ہے۔ سلطان نے روئے سخن میری طرف کر کے پوچھا، "سلطنت کے عوارض کے متعلق قدیم بادشاہوں نے کیا خیال ظاہر کیا ہے؟"

برنی نے موقع کو غنیمت جانا اور سلطان کے استفسار کا یوں جواب دیا "قدیم بادشاہوں نے سلطنت کے لیے مختلف تدابیر بتائی ہیں۔ بعض بادشاہ، یہ دیکھ کر کہ ان کے متعلق عام ناراضگی ظاہر ہو رہی ہے اور لوگوں کو اس پر اعتماد نہیں رہا تو وہ تخت و تاج سے دست بردار ہو کر گوشہ نشین ہو گئے۔ اور اپنے بیٹوں میں سے جس کو حکومت کا اہل سمجھا، اپنا جانشین بنا دیا۔ نیز اپنی پریشانیوں کو بھلانے کے لیے چند مصاحبوں کی پر لطف صحبت پر اکتفا کیا۔ بعض بادشاہوں نے یہ محسوس کر کے کہ رعایا کی نفرت کے باعث سلطنت میں خلل واقع ہو رہا ہے، شراب و شکار اور موسیقی ایسی تفریحات اختیار کر لیں اور امور مملکت وزرا اور حکام اعلیٰ اور سلطنت کے بہی خواہوں کو سونپ دیے۔ خود نہ کسی امر کی تحقیقات کی نہ کسی قسم کے احکام جاری کیے ......"

اس قسم کی تدبیر سلطان کے ذہن میں بھی آتی تھی لیکن شورش پسندوں پر غلبہ پانے کی خواہش کی وجہ سے دب کر رہ جاتی تھی۔ چنانچہ سلطان کا جواب یہ تھا،

"من می خواستم کہ اگر کارہائے ممالک من، چنانچہ خواست دل من است، فراہم آید، ممالک دہلی را بدیں سہ کس، اعنی بادشاہ عہد و زماں فیروز شاہ و ملک کبیر و احمد ایاز بسپارم و من در خانہ کعبہ روم۔ فاما دریں ایام من از خلق آزردہ شدہ ام و خلق از من آزار گرفت ...... علاج من در باب باغیان و بے فرماناں و مخالفاں و بدخواہاں تیغ است ......"[۲۲]

سلطان آخر باغیوں کی سرکوبی کی حسرت دل ہی میں لیے بعارضہ بخار مبتلا رہ کر ۲۱ محرم ۷۵۲ھ / ۲۰ مارچ ۱۳۵۱ء کو دریائے سندھ کے کنارے راہیٔ ملک بقا ہوا۔

خوش حالی کا دور

سلطان محمد بن تغلق کی ندیمی کے دوران ضیاء الدین برنی کی زندگی خوش حالی اور فارغ البالی میں گزری۔ امیر خورد لکھتے ہیں:

"بواسطۂ لطافت طبع کہ در زمان خویش، در فن ندیمی زیر کبودی آسمان مثل نداشت، بخدمت سلطان مکن و متحمل گشت واز دولت او ازیں دنیای غدارہ مکارو بے وفا حظی وافر و نصیب کامل گرفتہ۔"[۱۲۵]

برنی خود لکھتا ہے،

"من پروردہ و برآوردۂ سلطان محمد ام وآنچہ از اکرام و انعام او یافتہ بودم، نہ پیش ازآں دیدہ بودم، نہ بعد ازو بخواب بینم۔"[۱۲۶]

یادِ ایام

برنی کو سلطان محمد بن تغلق کی مصاحبت سے پہلے بھی اونچے درباری حلقوں میں رسائی حاصل تھی اس لیے عیش و طرب کی مجلسوں اور رقص و سرود کی محفلوں میں بھی وہ لذت اندوز ہوتا تھا۔ ان کا ذکر برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں کیا ہے اس سے اس کے ذوق اور ذہنی افتاد کا صاف پتا چلتا ہے۔ جلال الدین خلجی کی مجالس نشاط کا ذکر کرتے ہوئے غزل خوانوں اور ساقیوں کا ذکر کیا ہے، پھر مجالس کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

"از مطربان مجلس سلطان، محمد شاہ چنگ زدی و فتوحا دختر فقاعی و نصرت خاتون سرود گفتندی، کہ از آواز ہٴ سادہ و مادہ ایشاں مرغ از ہوا فرود آمدی و دختر خاصہ نصرت بی بی و مہرافروز کہ از نہایت حسن و غایت نمک و ترنگ در ہر جانبی کہ می دیدند و ہر کرشمہ ای کہ می کردند، کان نمک می ریختند۔ در مجلس سلطان پا کوفتندی و ہر کہ پاکوفتن و کرشمہ و ناز کردن ایشاں بدیدی، خواستی کہ جان خود را بر سر ایشاں نثار کند و تا زید، چشم از زیر پای ایشاں برندارد ...... درچنیں مجلسی کہ از مجالس دنیا نتواں گفت و نتواں دانست، بیدلاں جان یا فتندی و آشفتگان از سر زندہ شدندی، و خوب طبعاں بہشت بریں را مشاہدہ کردندی و نازک مزاجاں از سر جان و جہان بخواستندی و درآں مجلس کہ حوراں را بر ورنشانند و پریاں را خاک روبی فرمایند، ہر کہ نہ مست شود، بی خبر بود و ہر کہ نہ دیوانہ گردد، سنگ و سنگدل باشد۔"[۱۲۷]

جلال الدین خلجی کی مجالس کا سماں دیکھنے کا جب برنی کو اتفاق ہوا تو اس کی عمر ۵ اسال تھی لیکن بچپن کی ایک ایک یاد اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ اس کے ذہن میں موجود ہے مجالس کے ذکر کے ساتھ ساتھ کچھ دلی حسرت کا بھی اظہار کیا ہے،

جوانان جان نواز اور مہ پیکران مایۂ ناز کہ جن کے ناز و کرشمہ سے محظوظ ہوا، جن کے نغمے سنے اور جنھیں رقص کرتے دیکھا، ان کی یاد بے قرار کرتی ہے تو بے اختیار جی چاہتا ہے کہ زنّار باندھوں اور ماتھے پر قشقہ لگاؤں اور جہانِ حسن کے بادشاہوں اور آسمانِ خوبی کے آفتابوں کے صدمۂ فراق سے کوچہ و بازار میں گرد ں پڑوں اور ذلیل و رسوا ہوں اور ساٹھ سال کے بعد اب ان کے نہ ملنے کی حسرت میں نوحہ کروں جامہ وری کروں اور سر فگندہ چلتا چلا جاؤں یہاں تک کہ ان کی آخری آرام گاہوں کے پائیں جانب پہنچ کر جان دے دوں۔

اصل پیرا، جس کا ملخص اوپر پیش کیا گیا ہے، یہاں لکھنا اس لیے بھی مناسب ہوگا کہ اس سے برنی کی کیفیات قلب کی صحیح عکاسی ہوتی ہے،

" و من پیر گمراہ، کہ در تیہ ناکامی متحیر گشتہ ام و نفسی دو می ماندہ، در زمانیکہ وصف مجلس مذکوری نوشتم خواستم کہ بیاد آں جوانانِ جاں نواز و آں مہ پیکران مایہ ناز، کہ بعضی از ایشاں را و ناز و کرشمہ ایشاں را دیدہ بودم و سرود ایشاں شنیدہ و پاکوفتن ایشاں مشاہدہ کردہ، زنار بربندم و تیکہ برہمناں در پیشانی لعنت خود کشم و روی خود را سیاہ کنم و در تعزیت و مصیبت آں شاہان جہان حسن و آں آفتابان آسمانِ خوبی در کوچہ و بازار افتم و فضیحت و رسوا شوم و بعد شصت سال از فقدان ایشاں نوحہ کناں و جامہ دراں و سر و ریش بردم و در زیر پای گور ایشاں جان دہم۔

برنی کے ذیل کے بیان سے پتا چلتا ہے کہ خود اس کے ہاں بھی اسباب نشاط کی کمی نہ تھی ان کی یاد بڑھاپے میں اسے ستاتی ہے۔

" درچنیں ہنگامی کہ از پیری و ضعیفی یک دنداں در دہنم نماندہ است و پریشان خاطر و دشمنی کام گشتہ و در لگد کوب دشمناں و حاسداں پست شدہ، جوانی ہا از سر یاد می آید و مجلس ہای عیش ہای گذشتہ کہ در عالی ہمتاں و بزرگ منشاں گذرانیدہ ام و در مجلس من خوب رویاں و خوب طبعاں و ظریفان بی بدل، خوب رویان طاق و گلعذاران سیمیں ساق و ساقیان سرو قد امردان شکر لب و مطربان مستغنی و غزل خواں

ممتاز بود ندی۔"

برنی کا دورِ ابتلا

برنی کی بے بسی کا دور سلطان محمد بن تغلق کی وفات ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ اس کی مختصر سی کیفیت یہ ہے کہ سلطان کا کوئی بیٹا نہ تھا۔ اس لیے امرا نے متفقہ فیصلے سے فیروز شاہ تغلق کو تخت نشین کیا۔ اس عرصے میں سلطان محمد بن تغلق کے وزیر خان جہاں احمد ایاز نے، جسے سلطان نے دہلی میں اپنا نائب بنایا تھا، ایک نوعمر بچے کو سلطان کا بیٹا ظاہر کر کے اس کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ بالآخر وہ اس بے باکی کی پاداش میں قتل ہوا۔ ادھر برنی کے گذشتہ اقتدار کی وجہ سے اس کے حاسدوں اور بدخواہوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ انھوں نے نئے حکمران کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ برنی بھی اس منصوبے میں شریک تھا۔ آخر ان کی سازش کامیاب ہوئی اور ہمارے اس عظیم مورخ کا ۷۶ سال کی عمر میں سیاہ بختی کا دور شروع ہوا۔ وہ خود لکھتا ہے:

"سلطان کی وفات کے بعد میں، مصنف تاریخ فیروز شاہی، طرح طرح کے مصائب میں مبتلا رہا۔ میرے بدخواہوں اور با اقتدار دشمنوں اور حریفوں نے میری ہلاکت کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ ان کی نفرت کی ضربوں نے مجھے پاگل بنا دیا۔ میرے متعلق وہ ہزاروں قسم کے زہر آلود الزامات بادشاہ کے کانوں تک پہنچاتے رہے۔ اگر فضل ربانی کے بعد سلطان فیروز شاہ کا رحم و کرم، ہمدردی شفقت، اثر پذیری، خلوص اور احترامِ صداقت مجھے بچا نہ لیتا تو میں مادر گیتی کے آغوش میں دائمی نیند سو رہا ہوتا......."[30]

وہ عظیم تاریخ جو بادشاہوں کے حضور پیش نہ ہو سکی

برنی نے اپنی عظیم تاریخ، فیروز شاہ کے زمانے میں ۷۵۸ھ[31] مطابق ۱۳۵۷ء میں مکمل کی جب اس کی عمر ۷۴ سال[32] کی تھی۔ معلوم ہوتا ہے اسے اس تاریخ سے کسی منفعت کی توقع نہ تھی، جیسا کہ وہ خود لکھتا ہے:

"اگر در تالیف ایں تاریخ منفعتی دیگر بمن نمی رسد، باری ذکر کریمانی، کہ کرم و بذل ایشاں، من از پدر و جدّ خود شنیدہ ام و از یاد کرما و ذکر کرما تسکینی و تسلیٔ در باطن شکستہ و خراب گشتۂ خود احساس کنم و مُردہ از نام ایشاں زندہ می شوم۔"[33]

برنی کی اس تاریخ نے فیروز شاہ کے نام کی نسبت سے تاریخ فیروز شاہی نام پایا تھا۔ قدرتی طور سے اس کی خواہش تھی کہ اسے سلطان کے حضور پیش کیا جائے۔ لیکن حالات کچھ ایسے تھے اور اس کے دشمنوں کا رسوخ دربار سلطانی میں اتنا زیادہ تھا کہ برنی کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ چنانچہ اس نے بالفاظ ذیل حسرت و ناکامی کا اظہار کیا ہے،

"چہ لیتم کہ و تمنافم از حضرت واز قرب او دور انداختہ اند، میسرم نمی شود کہ این تاریخ را در نظر ہمایون او بگذرانم۔ بنہایت شکستہ ام و دریں شکستگی در حضرت بی نیازی مناجات می کنم و می گویم، الٰہی بحرمت شکستگی خاطر من و بحرمت بے چارگی و مسکنت حال من، لطیفہ ساز کہ این تاریخ من در نظر خداوند عالم، بادشاہ بنی آدم فیروز شاہ السلطان خلد اللہ ملکہ و سلطانہ بگذر"[۳۲]

برنی کے آخری ایام

برنی کے آخری ایام نہایت عسرت اور پریشانی میں گزرے۔ سلطان نے بدخواہوں کے بہکانے پر اس کی جائداد تو ضرور ضبط کی لیکن اتنا وظیفہ ضرور مقرر کر دیا کہ گزر اوقات ہو سکے۔ بیان ذیل سے اس کی زبوں حالی کی عکاسی ہوتی ہے،

"اگرچہ من دریں ایام سخت درماندہ و عاجز شدہ ام و خواہندگان از در من محروم باز می گردند از آن کہ زادہ کرم و خلف کرامم، مُردن مرا ازیں روز ہزار بار بہتر از زیستن می دانم نہ چیزی دارم و نہ از کس وام می یابم و شب و روز در حسرت آنکہ ایثار کنم و درم و دینار دہم، من نالم و می میرم"[۳۳]

امیر خورد نے اس کے سفر آخرت کا نقشہ درد انگیز الفاظ میں پیش کیا ہے،

"آخر الایام چند روز زحمت شد واز دنیا بدار عقبیٰ مردانہ و عاشقانہ خرامید۔ وقت نقل دانگ درم برخود نداشت بلکہ جامہ ہای تن بداد و در جنازہ فرد بالای او یک تو دیک بوریا بود"[۳۴]

امیر خورد یہ بھی لکھتے ہیں،

"و در حظیرۂ سلطان المشائخ در پایئن والد بزرگوار خویش مدفن یافت رحمۃ اللہ علیہ"[۳۵]

سالِ وفات

برنی کے سال پیدائش کی طرح اس کا سال وفات بھی معلوم نہیں ہو سکا۔ صرف قیاس آرائی ہو سکتی ہے۔ تاریخ فیروز شاہی اس نے ۷۴ سال کی عمر میں لکھی، جس میں فیروز شاہ کے عہد حکومت

کے پچھلے سال تک کے واقعات درج ہیں۔ اس کے بعد عالم مایوسی میں اس نے تاریخ کو جاری رکھنا مناسب نہ سمجھا لیکن دوسری تصنیفات کا سلسلہ بہر طور جاری رہا اور مایوسی کے عالم میں وہ زیادہ عرصہ نہ جیا۔ اگر تاریخ فیروز شاہی کی تکمیل (۱۳۵۷ء) کے دو سال بعد تک بھی وہ جیا ہو کیونکہ اس عرصے میں اس نے بعض اور تالیفات مکمل کیں، تو اس کے سال وفات کا قیاسی تعین ۷۶۰ھ مطابق ۱۳۵۹ء ہو سکتا ہے۔ امیر خورد کا بیان ہے کہ برنی وفات کے وقت ستر سال سے کچھ ہی زیادہ عمر رکھتا تھا۔[۱۲]

تصنیفات

ذیل کی کتابیں برنی کی یادگار ہیں:

۱۔ ثنائے محمدی یا نعت محمدی
۲۔ صلوٰۃ کبیر
۳۔ عنایت نامۂ الٰہی
۴۔ مآثر سادات
۵۔ تاریخ فیروز شاہی، جسے سر سید احمد خاں نے ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے لیے ۱۸۶۲ء میں ایڈٹ کیا۔ پھر اسے بہ تصحیح پروفیسر شیخ عبدالرشید، شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۵۷ء میں طبع کرایا لیکن بد قسمتی سے اس کے صرف دو حصے ہی شائع ہو سکے بقیہ تاریخ شائع نہ ہو سکی۔
۶۔ تاریخ برامکہ
۷۔ حسرت نامہ۔ خود نوشت سوانح حیات
۸۔ فتاوائے جہانداری، جو ہمارا موضوع سخن ہے۔

(باقی آئندہ)

حوالے

۱۔ سیر الاولیا: ص ۳۱۳
۲۔ تاریخ فیروز شاہی مصحح سر سید احمد خاں: ص ۲۰۹
۳۔ ایضاً، ص ۲۴۸
۴۔ تاریخ فیروز شاہی مصحح پروفیسر شیخ عبدالرشید، جلد دوم، ص ۸۵
۵۔ ایضاً، ص ۸۷-۸۸
۶۔ ایضاً، ص ۱۸۰
۷۔ ایضاً، جلد اول، ص ۱۰۲
۸۔ تاریخ فیروز شاہی مصحح سر سید احمد خاں، ۵۰۳
۹۔ تاریخ فیروز شاہی مصحح پروفیسر عبدالرشید، جلد دوم، ص ۱۸۴
۱۰۔ ایضاً ص ۱۸۴
۱۱۔ ایضاً، جلد اول، ص ۱۱
۱۲۔ سیر الاولیا، ص ۳۱۲-۳۱۳

۱۳ - تاریخ فیروز شاہی مصحح پروفیسر عبدالرشید، جلد دوم ص ۱۹

۱۴ و ۱۵ - تاریخ فیروز شاہی، مصحح سر سید احمد خاں ص ۴۶۵-۴۶۶

۱۶ - ایضاً

۱۷ - ایضاً، ص ۵۰۹

۱۸ - تاریخ فیروز شاہی، سر سید احمد خاں ص ۵۱۱

۱۹ - ایضاً

۲۰ - ایضاً، ص ۵۱۶-۵۱۷

۲۱ و ۲۲ - ایضاً

۲۳ - ایضاً، ص ۵۲۱ - ۵۲۲

۲۴ - سیر الاولیا، ص ۳۱۳

۲۵ - تاریخ فیروز شاہی، مصحح سر سید احمد خاں ص ۴۶۵-۴۶۶

۲۶ - تاریخ فیروز شاہی، مصحح پروفیسر عبدالرشید، جلد دوم، ص ۲۷-۲۸

۲۷ - ایضاً، جلد اول، ص ۱۰۸

۲۸ - تاریخ فیروز شاہی، سر سید احمد خاں، ص ۵۵۶-۵۵۷

۲۹ - ایضاً، مقدمہ ص ۳۲

۳۰ - ایضاً، ص ۵۷۳

۳۱ - تاریخ فیروز شاہی، پروفیسر عبدالرشید، ج دوم ص ۳۲

۳۲ - تاریخ فیروز شاہی، سر سید احمد خاں، ص ۱۲۵

۳۳ - تاریخ فیروز شاہی، پروفیسر شیخ عبدالرشید، ج دوم ص ۳۲

۳۴ - سیر الاولیا، ص ۳۱۳

۳۵ - ایضاً

حیاتِ محمدؐ

از محمد حسین ہیکل — مترجم: ابو یحیٰی امام خاں

یہ کتاب مصر کے نامور ادیب اور محقق محمد حسین ہیکل کی مشہور و معروف تصنیف کا ترجمہ ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات نہایت موثر اور دل نشیں انداز میں لکھے گئے ہیں اور حضورؐ کی حیاتِ طیبہ کے ان پہلوؤں کو خصوصیت سے اجاگر کیا گیا ہے جن کا تعلق زندگی کے بنیادی حقائق اور اس دور کے اہم مسائل سے ہے۔

قیمت ۲۲/۵۰ روپے

ملنے کا پتہ

سیکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور